جدید کالم نگاری......تاریخ اور عہدِ حاضر کا ادبی بیانیہ

ثنا ہارون، لیکچرار ماس کمیونیکیشن، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

Abstract

Calaum writing has a significant role in journalism and also in making public point of view about the society, politics and values. Contemporay urdu calaum writers have played great role in this perspective. In this article, it is discussed that Modren Colaum writers used history as their basic source when they discuss current situations of society.

جدید کالم نگاروں کے یہاں تاریخ سے راہ نمائی لینا اور عہدِ حاضر کو اُن واقعات کی روشنی میں پرکھنا اور اُسے فکشن کے انداز میں پیش کرنا خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اپنی تحریر میں وہ اسلامی خدوخال کو پیش کرتے ہوئے کبھی وہ ایرانی تہذیب کبھی ترک کبھی فلسطین کے ہمراہ چلتے ہوئے اُس عہد اور ماحول کو اُجاگر کرتے ہیں۔ درحقیقت وہ اپنے آپ کو اپنی نسل کی وہ پیغام دیتے ہیں۔ جن سے نئی نسل آشنا نہیں ہے۔ وہ اسلامی فنون کی اساطیری حیثیت کو اُجاگر کرتے ہیں۔ اس تحریر میں کہانی موجود ہوتی ہے۔ حقائق سے پردہ اُٹھاتے ہوئے بعض چونکا دینے والے مجلّے بھی ملتے ہیں۔ ایسے میں وہ اپنے جملوں میں بعض اوقات اشارے سے سوالیہ انداز سے اپنی بات کو سمجھاتے ہیں۔ ایسے میں بعض اوقات عبارت غیر رواں ہو جاتی ہے۔ مگر عبارت میں خصوصاً کالم نگاری سے ایسے فقروں کا استعمال ضروری ہوتا ہے۔ مقامی زبان کا استعمال اور اصل بولی بھی اس تحریر کو موزوں بنانے میں مدد کرتی ہے۔

ہر تحریر کا کوئی نہ کوئی نکتہ نظر ضرور ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ صرف زبان کے چٹخارے کے لیے ہی ہو۔ جو کوئی نہ کوئی واضح نصب العین کی حامل تحریریں کہی جاسکتی ہیں۔ بعض اوقات کوئی تحریر قاری کے لیے سوالیہ نشان چھوڑ دیتی ہے۔ تاکہ قاری اس شان کا حصہ بن سکے جو مصنف قاری اور متن کے درمیان ہونا چاہیے۔ اس سلسلہ میں اُردو کے ایک ناقد سید احتشام حسین فرماتے ہیں:

''آج کا ادب بھی ماضی کا ادب نہیں بن جائے گا۔ اس وقت مستقبل کا نقاد اقبال، جوش، گیتا

سائے، ہیرا لال، گودی والد سمترا نندن پنت۔ ٹیگر اور نذر الاسلام کو پڑھ کر بیسویں صدی کے ہندوستان، اس کے تمدن، اس کی بے چینی، تبدیلیوں رجحانات کا پتہ لگائے گا اور بتائے گا کہ انہوں نے کہاں تک ادیب اور شاعر کی حیثیت سے زندگی سے آنکھیں چار کرنے کی جرأت کی تھی اور کہاں تک عام انسانی مفاد کو پیش نظر رکھ کر فرائض سرانجام دیے تھے۔ اس سلسلہ میں وہ یہ بھی دیکھے گا کہ جذبات میں یہ روانی، خیالات میں یہ وسعت، تفکر میں یہ گہرائی، زبان کے استعمال میں یہ تنوع، جمالیاتی احساس کا یہ نیا تصور ان کے یہاں کہاں سے آیا۔ اور انہوں نے اسے کتنا کامیاب بنایا۔"[۱]

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آج کے کالم نگار زندگی میں ہونے والے تغیرات میں ماضی کے تہذیبی ورثہ کو یک دم ختم کرنے کے قائل نہیں ہیں۔ بلکہ اس تہذیبی ورثہ کو ساتھ لے کر نئے رجحانات کو بھی ساتھ ساتھ زندگی کے ہر لمحہ میں برتنے کے قائل ہیں۔ اُن کے خیال سے اساطیری حوالے اتنے ہی ضروری ہیں جتنے جدید خیالات اور رجحانات۔ دونوں لازم ملزوم ہیں ان کے یہاں لفظ اور معنی کا رشتہ جمالیاتی نہیں بلکہ فکری ہے۔ جو اصل محرک ہے۔ اس فکر کی یا اُس درد کی یا اس جذبے کی۔ جو وجہ بنا کر کہ لکھاری لفظوں سے اس کو بیان کر دے۔ اُن کے نزدیک ادیب زندگی کو زیادہ بہتر بنانے کی راہ بنا سکتا ہے۔ ایک طرف وہ ادب برائے زندگی اور دوسری طرف وہ ادب برائے ادب دونوں کی خدمت میں مصروف ہوتا ہے۔

عہدِ حاضر کے چند نمائندہ کالم نگاروں کے تناظر میں دیکھا جا سکتا ہے کہ جدید کالم نگاری تاریخ اور معاصر عہد کے منظر نامے سے کس طرح سیراب ہوتی ہے۔ مصنف اپنے کرداروں سے کسی بھی واقعہ میں رنگ بھر دیتے ہیں۔ اُسی واقعہ میں وہ قول وہ مفکر اور وہ منظر نامہ اور اس میں مختلف کیفیات پیدا کرتا ہے۔ جس میں خوشی اور غم، حزن وملال الفاظ میں مبالغہ آمیزی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

بعض اوقات لکھاری اپنے خطابیہ Discourse میں کردار کی زبان سے ایسی باتیں نکالتا ہے۔ جو دراصل اس معاشرے میں اہل دانش کی باتیں ہوتی ہیں۔ ایسے معاشروں میں لکھاری کبھی علامت میں کبھی براہِ راست مختلف کرداروں کی زبان سے ادا کرواتا ہے۔ کبھی کوئی فتیح بات کسی انتہائی گہرے پڑے کردار کہلوائی جاتی ہے۔ کسی واقعہ کو بنیاد بنا کر اصل بیانیے کو پروموٹ کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر نذیر ناجی نے اپنی تحریر میں مختلف تجربے کیے ہیں۔ اپنے انداز سے تلخ سے تلخ واقعہ کو عصری حسیّت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بیان کیا ہے۔ مثلاً:

"آج ہمیں اپنے اندر دشمنوں کے آلات کار سے نپٹنا پڑ رہا ہے۔ الحمد للہ ہماری سیاسی اور فوجی قیادتیں یکسوئی کے ساتھ اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہیں۔ جنگ ستمبر کی یاد مناتے وقت یہ بات ہر

پاکستانی کے ذہن میں رہنی چاہیے کہ فوج اور سیاست کو ایک دوسرے سے اُلجھنا نہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ چلنا ہے۔ ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر رکھنا ہے کہ یہی کامیابی کی کلید ہے۔ کلید ہی نہیں شاہ کلید۔''۲؎

اسلوب میں حقیقت نگاری ہے۔ زمینی حقائق سے آگاہی ہے۔ الفاظ کا چناؤ نپا تلا ہے۔ پرشکوہ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ متوازن رستوں کی جستجو کی گئی ہے۔ ایسے رستے جو کسی بھی قوم کے لیے کامیابی کی ضمانت ہیں۔ زبان فکر کے لحاظ سے مثلاً:

''پاکستان نے حالات سے نبٹنے کی اپنی سی سعی کی۔ اپنے دوست بنائے اور دشمنوں کی بھی حسب توفیق مرمت کی۔ جب سوویت فوجوں نے افغانستان پر حملہ کرکے وہاں کے حکمرانوں کو تہہ تیغ کیا۔ اور اپنی کٹھ پتلی حکومت قائم کرکے اس کی حفاظت پر اپنے آپ کو مامور کیا۔ تو ان کے خلاف تحریک مزاحمت کا ساتھ پاکستان نے دیا بالکل اسی طرح جیسے ویت نام کے حریت پسندوں کا ساتھ سوویت یونین اور چین نے دیا تھا۔ لیکن ویت نام کا نام لے کر ماسکو اور بیجنگ کو ہار پہنانے والے پاکستان کو داد دینے کے بجائے اس کی سرزنش پر تلے رہتے ہیں...... بے پرکی اُڑانے والوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ معاملات چلانے والے اور فیصلہ کرنے والے بہرحال افراد ہوتے ہیں۔ جغرافیہ نہیں ہوتا۔ افراد بدل جاتے ہیں۔ بدلے جاسکتے ہیں لیکن جغرافیہ بدلا نہیں جاسکتا۔ یہ جام سفال نہیں ہے کہ ایک ٹوٹ گیا تو دوسرا آئے اس لیے بات کرنے سے پہلے کچھ سوچ لیا جائے...... کچھ پڑھ لیا جائے تو اس میں برائی ہی کیا ہے؟ اس سے دانش مجروح کیسے ہو جائے گی۔''۳؎

اسی طرح غازی صلاح الدین زندگی کی بہت ہی چھوٹی چھوٹی جزئیات کو اپنے اندازِ فکر سے دیکھتے ہیں اور پھر اُسی انداز سے اُس کا تجزیہ کرتے ہیں۔ عقلی طور پر منطقی انداز سے بات کرکے اُوپر اپنی رائے دیتے ہیں۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

''اب آپ نو گو ایریا کے تصور کو ایک استعارہ سمجھ کر اس بات پر غور کریں کہ ایسے بہت سے علاقے ہیں۔ جن تک عام لوگوں کی رسائی نہیں ہے۔ اور میں ان رکاوٹوں اور بندشوں کی بات کر رہا ہوں۔ جن کو دور کرنا فوج یا کسی قانون نافذ کرنے والے ادارے کا کام نہیں ہے۔ مثال کے طور پر اچھے تعلیمی ادارے ملک کے غریب اور نچلے متوسط طبقے کے لیے ایریاز ہیں۔''۴؎

یہاں کالم نگار کی بات پر غور کیا جائے تو انہوں نے نو گو ایریا کو ایک استعارہ سمجھ کر استعمال کیا۔ اور اُس سے جو مطلب اخذ کیا وہ مصنف کی وسعت نظر کا کمال ہے۔ گویا دریا کو کوزے میں بند کرکے ارزل معاشروں کی بے بسی اور بدصورتی پر طنز کرتے ہوئے ایک انتہائی اہم مسئلے کی طرف توجہ مبذول کی گئی ہے۔ پاکستان میں نو گو ایریز وہ نہیں جہاں دہشت گردی ہے۔ جہاں پر جرائم پیشہ افراد رہتے ہیں بلکہ ان کا مقصد نو گو

ایریا وہ سوچ ہے۔ جہاں عام لوگوں کا داخلہ ممنوع ہو جہاں عام لوگ داخل نہ ہوسکیں۔ ہمارا پورا نظام جس میں اشرافیہ نے اپنے لیے اور عام لوگوں کے لیے علیحدہ علیحدہ راستے بنا رکھے ہیں۔ مصنف اُس میں اپنا کردار ادا کرتے ہوئے مختلف طریقوں سے اپنے اسلوب سے اس طرح بیان کیا ہے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی بچ جائے۔ مثلاً آگے چل کر وہ اپنی اسلوبی ریاضت سے ایسے الفاظ کا چناؤ کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا بیانیہ مکمل اور واضح ہے۔ مثلاً:

> ''یہ انحراف میں نے اسی لیے کیا کہ آپ دیکھیں کہ اس ملک میں کتنی دولت صرف چند بنیادی طور پر حکمران خاندانوں تک محدود ہے اور اس دولت کا جائز ہونا کتنا مشکوک ہے۔ جن کے پاس دولت ہے۔ وہ بے تحاشا ہے۔ اور جو غریب ہیں وہ آبادی کے حساب سے بے تحاشا ہیں لیکن اس کی دسترس میں جو رسائل ہیں وہ انتہائی محدود ہیں۔ امن و امان کی صورتِ حال میں امیروں نے ایسے محل اور محلے بنائے ہیں جنہیں ہم صحیح معنوں میں نو ایریاز کہہ سکتے ہیں۔''۵

اسی تناظر میں دیکھیں تو عبدالقادر حسن نے اپنی تحریروں سے جو پیغام دیا۔ وہ یہی کہ وقت وقت کی بات ہے۔ اب زمانہ وہ نہیں رہا۔ بلکہ نیا زمانہ نئے رواج اور نئے تقاضے ہیں اور جدید رجحانات ہیں۔ لہٰذا عملی زندگی میں جہاں ادب میں بھی نئی روایات اور نئی تحریکوں کے بعینہٖ چلنا ممکن نہیں۔ وہ فرماتے ہیں ''ایک نسل کا زمانہ گزر گیا۔ اپنی شاندار سیاسی روایات بھی اپنے ساتھ ہی لے گیا''۔۶ لہٰذا ادب عالیہ میں نئے رجحانات کو اپناتے ہوئے دُنیا کی تحریکوں سے فیض حاصل کرنا اور انہیں اپنے قاری تک پہنچانا کالم نگار کی اہم ترین ضرورت ہے۔ جس کے لیے عبد القادر حسن اپنی تحریروں سے اپنے قاری لبرہ مند کرتے ہیں۔ مگر اپنے خاص انداز سے جس میں ٹھہراؤ ہے دھیما پن ہے ان کی تحریر میں جذباتیت اور سطحی پن بالکل موجود نہیں۔ ابتذال کا ہلکا سا شائبہ بھی موجود نہیں جو انہیں ایک متوازن اسلوب کا حامل کالم نگار بناتا ہے۔

عطاالحق قاسمی کے یہاں موضوعات سے زیادہ اسلوب کی شگفتگی اپنا کام کرتی دکھائی دیتی ہے۔ اُن کے اسلوب میں ہمیں روزمرہ، کہاوت برمحل نظر آئیں گے۔ مذکورہ جملے محاورات کی عمدہ مثال ہیں:

''یہ غصہ بہت بُری چیز ہے۔ گذشتہ روز ایک صاحب کو ہم نے جھاگ اُگلتے پایا۔ وہ غیض وغضب میں اپنے مخالف کو ہلکار رہے تھے۔''

''اگر تم نے مجھ سے متھا لگایا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔''

اُن کے اسلوب کی ایک اور خوبصورتی دیکھیں کہ وہ بات سے بات نکالتے ہیں۔

> ''آج صبح میرا یہ دوست ہانپتا کانپتا میرے پاس آیا اور کہا:
> مکان کا مسئلہ حل ہوگیا!
> وہ کیسے میں نے پوچھا۔

ایک ڈیزائن پسند کرلیا ہے۔ بہت کمال کی کوٹھی ہے۔اس کے آگے چھ کنال کالان ہے۔

وہ تو ٹھیک ہے۔میں نے کہا۔

مگر دس مرلے زمین میں چھ کنال کے لان کی گنجائش نکالنا قدرے مشکل ہوگا۔

یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔اس نے روہانسا ہوکر کہا۔

پھر کیا کیا جائے۔

فی الحال تم آدم جی کی لان پر گزارا کرو۔بعد میں دیکھا جائے گا‘‘ ۷

محولہ بالا جملے ملاحظہ ہوں۔جملوں میں ڈرامائی عنصر موجود ہے۔بات سے بات نکالی گئی ہے۔مزاح کا لطف بھی موجود ہے اور خودرو پودے کی طرح قاسمی کا فن خود پکار پکار کر دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرلیتا ہے۔اور کچھ نہیں تو وہ گھٹن اور سڑاند جو انسان کے اندر حالات کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے۔اُس کی تحریروں سے دور ہو جاتی ہے۔اور انہیں قاری پڑھ کر ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے اور آخر میں ایک لمبی سانس لے کر اپنی ذات کا کیتھارسس کر کے آگے اطمینان سے چل پڑتا ہے۔بقول سید ضمیر جعفری:

’’ہمارے کھیتوں میں اُگنے والی کپاس کے پھولوں کی طرح ہنستا ہوا کالم عطاالحق کے سوا شاید کسی نے نہیں لکھا‘‘ ۸

عطاالحق قاسمی کا مشاہدہ اُن کی تحریروں میں نظر آتا ہے۔ان کی تحریروں میں باتوں میں لوگوں کے لیے چھوٹی چھوٹی Tips موجود ہوتی ہیں۔گویا کہ وہ نہ صرف اپنے ویژن کو استعمال میں لاتے ہیں بلکہ نفسیاتی طور پر یہ اپنے قاری کو ساتھ ملا لیتے ہیں۔بالکل دوستوں کی طرح کہ قاری بار بار پہلو بدلتا ہے اور وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم ملزوم ہو جاتے ہیں۔اس سلسلہ میں اُن کے ایک دوست سراج منیر نے انہیں ایک خط میں لکھا:

’’تم چھوٹے چھوٹے واقعات سے اس قدر لطف کیوں لے کر لکھتے ہو۔ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں بڑی بڑی دانش کیوں ڈھونڈتے ہو۔تمھیں باتوں کو تہہ دار بنانے کا اس قدر شوق کیوں ہے۔ اور ہاں میں تم سے یہ بھی پوچھنا چاہتا ہوں کہ آج جب ادب اور فن میں آدمی گم ہوتا جا رہا ہے۔ تمہاری ان تحریروں میں اتنے زندہ لوگ کیوں چلتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں۔‘‘ ۹

حوالہ جات:

۱۔ شیما مجید(مرتبہ)،تنقیدی مضامین،(لاہور:الحمد کتاب گھر،۱۹۹۵ء)،ص:۲۷

۲۔ نذیر ناجی،دیکھئے کب تک،روزنامہ جنگ،۱۳،۱۱اکتوبر۲۰۱۱ء

۳۔ ایضاً،۱۱نومبر۲۰۱۰ء

۴۔ غازی صلاح الدین،نو گوایریا،روزنامہ جنگ،۱۹جولائی۲۰۱۳ء
۵۔ ایضاً
۶۔ عبدالقادر حسن،غیر سیاسی باتیں،روزنامہ ایکسپریس،۱۱فروری۲۰۰۹ء
۷۔ عطاالحق قاسمی،روزنِ دیوار سے،روزنامہ جنگ،۹جنوری۲۰۱۱ء
۸۔ عطاالحق قاسمی، کالمِ تمام،(اسلام آباد:نیشنل بک فاؤنڈیشن،۲۰۱۳ء)ص:۹
۹۔ ایضاً،ص:۱۵

مآخذ:

۱۔ شیما مجید(مرتبہ)،تنقیدی مضامین،لاہور:الحمد کتاب گھر،۱۹۹۵ء۔
۲۔ عطاالحق قاسمی، کالم تمام،اسلام آباد:نیشنل بک فاؤنڈیشن،۲۰۱۳ء۔

☆☆☆